ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3952

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(درس نظامی پروگرام)

کورس: اصول فقہ (3952) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 01 تا 04)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — GUIDE SOLVED ASSIGNMENT

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: علمِ اصولِ فقہ کی تعریف، غرض وغایت، تاریخ وارتقاء اور تدوین کے دو اسالیب کا موازنہ

سوال نمبر 1: علم اصول فقہ کی تعریف، غرض وغایت، اور تاریخ وارتقاء پر تفصیلی بحث کریں۔ نیز تدوین اصول فقہ میں علمائے متکلمین (طریقہ شافعیہ) اور فقہائے احناف کے اسالیب ومناہج کا باہمی موازنہ کریں۔ (20)

تعارف

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے احکام و قوانین کا بنیادی ذخیرہ قرآن مجید اور سنت نبوی میں موجود ہے، لیکن ظاہر ہے کہ زندگی کے تمام جزئی مسائل کا حکم نصوص میں صراحتاً مذکور نہیں ہو سکتا۔ ہر دور میں نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں اور اہل علم کو انہی نصوص کی روشنی میں ان کا حل تلاش کرنا پڑتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ احکام کا استنباط کس بنیاد پر ہو، دلیل کو کیسے پرکھا جائے، الفاظ سے معنی کیسے اخذ کیا جائے، اور دو دلیلوں میں بظاہر ٹکراؤ ہو تو کسے ترجیح دی جائے۔ انہی سوالات کے منظم جوابات نے جس علم کو جنم دیا اسے اصول فقہ کہا جاتا ہے۔ یہ علم فقہ کی بنیاد اور اس کی کنجی ہے، کیونکہ فقہ کے تمام مسائل اسی کے قواعد کی روشنی میں مستنبط ہوتے ہیں۔ اس سوال میں پہلے اس علم کی تعریف، غرض و غایت اور تاریخی ارتقاء کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر اس کی تدوین کے دو مشہور اسالیب، طریقہ متکلمین اور طریقہ فقہائے احناف، کا موازنہ پیش کیا جائے گا۔

علم اصول فقہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف

لفظ اصول، اصل کی جمع ہے جس کے لغوی معنی بنیاد اور جڑ کے ہیں، یعنی وہ چیز جس پر دوسری چیز کی عمارت قائم ہو۔ فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو گہرائی سے سمجھنا ہے، اور اصطلاح میں فقہ سے مراد ادلہ تفصیلیہ سے احکام شرعیہ عملیہ کا علم حاصل کرنا ہے۔ اس اعتبار سے اصول فقہ کا مفہوم ہوا: فقہ کی وہ بنیادیں اور قواعد جن پر فقہی احکام کی عمارت کھڑی ہے۔ اصولیین نے اس علم کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے المستصفیٰ میں اسے ادلہ اجمالیہ اور ان سے استنباط کے طریقوں کا علم قرار دیا۔ آمدی نے الاحکام میں اور بیضاوی نے منہاج الوصول میں اسی مفہوم کو مختلف الفاظ میں بیان کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصول فقہ وہ علم ہے جس میں ان عام قواعد سے بحث ہوتی ہے جن کے ذریعے ادلہ شرعیہ سے عملی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے، یعنی دلیل کی اقسام، اس کی حجیت، الفاظ کی دلالت، امر و نہی کے صیغے، عام و خاص، اجماع، قیاس اور تعارض و ترجیح جیسے مباحث اس علم کا موضوع ہیں۔

اصول فقہ اور فقہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فقہ کا تعلق جزئی مسائل سے ہے، مثلاً نماز کا حکم، زکاۃ کی مقدار یا بیع کی شرائط، جبکہ اصول فقہ ان جزئیات کے پیچھے کارفرما کلی قواعد سے بحث کرتا ہے۔ اصولی یہ نہیں بتاتا کہ فلاں مسئلے کا حکم کیا ہے، بلکہ یہ بتاتا ہے کہ حکم تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے اور دلیل کو کس کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ مثال کے طور پر یہ قاعدہ کہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے آتا ہے، یہ اصول فقہ کی بحث ہے، اور اس قاعدے کو نماز کے حکم پر منطبق کرنا فقہ کا کام ہے۔ اسی طرح اصولی کے نزدیک قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ادلہ اجمالیہ ہیں، جبکہ فقیہ انہی ادلہ کی تفصیلی صورتوں سے ہر مسئلے کا حکم نکالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصول فقہ کو فقہ کا میزان اور اس کی منطق قرار دیا جاتا ہے۔

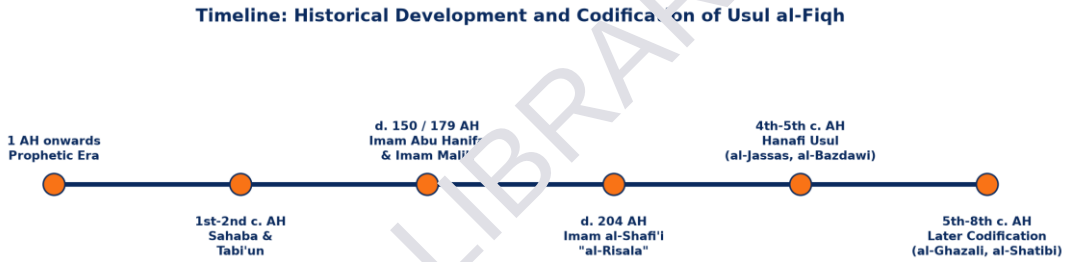
علم اصول فقہ کی غرض وغایت

اس علم کی سب سے بڑی غرض وغایت یہ ہے کہ مجتہد اور عالم کو احکام کے استنباط کی صحیح صلاحیت حاصل ہو جائے۔ اس کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ کون سی دلیل قطعی ہے اور کون سی ظنی، کس دلیل کو دوسری پر ترجیح حاصل ہے، نص کے الفاظ کس معنی پر دلالت کرتے ہیں، اور جب دو دلیلیں بظاہر متعارض ہوں تو ان میں مطابقت یا ترجیح کا طریقہ کیا ہو گا۔ اس علم کی بدولت شریعت کے مقاصد کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور غیر منصوص مسائل کا حکم منصوص مسائل پر قیاس کرکے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس سے رائے کی بے راہ روی اور خواہش نفس کی پیروی سے حفاظت ہوتی ہے، کیونکہ ہر دعوے کو طے شدہ قواعد کی کسوٹی پر جانچا جاتا ہے۔ مقلد کے لیے بھی اس علم کا مطالعہ مفید ہے کیونکہ اسے اپنے مسلک کے دلائل کی بنیاد سمجھ آتی ہے اور مختلف فقہی آراء کے باہمی اختلاف کی اصل وجہ واضح ہو جاتی ہے۔ یوں یہ علم امت کو علمی انتشار سے بچا کر ایک منظم قانونی ورثے کا محافظ بناتا ہے۔

علم اصول فقہ کی تاریخ وارتقاء

اصول فقہ کا آغاز بحیثیت عملی روش کے عہد نبوی سے ہوتا ہے۔ اس دور میں وحی بذات خود موجود تھی، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجتہاد کی تربیت بھی دی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت آپ نے ان سے استنباط کی ترتیب دریافت فرمائی جس میں کتاب اللہ، پھر سنت رسول اور پھر اجتہاد رائے کا ذکر آیا، اور اس ترتیب کو پسند فرمایا گیا۔ یہ واقعہ اصول فقہ کی عملی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور سنن ابی داود و ترمذی میں مروی ہے۔ صحابہ کرام کے دور میں جب فتوحات کا دائرہ پھیلا اور نئے

علاقے، نئی تہذیبیں اور نئے مسائل سامنے آئے تو صحابہ نے نصوص کی علت اور مقصد کو دیکھ کر اجتہاد فرمایا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اجتہادات، عراق میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہی روایت اور اہل مدینہ کا عمل، یہ سب استنباط کے اصولوں کی عملی صورتیں تھیں، البتہ یہ اصول ابھی فروعی مسائل میں منتشر تھے، باقاعدہ مدون علم کی صورت میں مرتب نہیں ہوئے تھے۔



شکل: علم اصول فقہ کے تاریخی ارتقاء اور تدوین کے اہم مراحل

تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور میں فقہی مکاتب فکر باقاعدہ وجود میں آئے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کوفہ میں علمی مجلس اور شوریٰ کے ذریعے مسائل حل کرنے کا منظم طریقہ اختیار کیا اور استحسان و قیاس کو وسعت دی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے مدینہ میں عمل اہل مدینہ اور مصالح کو اہمیت دی۔ اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے دوسری صدی ہجری کے اواخر میں اپنی مشہور کتاب الرسالہ لکھ کر اصول فقہ کی باقاعدہ تدوین کی بنیاد رکھ دی۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اس فن کا بانی اور مدون اول کہا جاتا ہے۔ ان کے بعد تیسری سے پانچویں صدی ہجری کے درمیان یہ علم عروج کو پہنچا۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں دونوں اسالیب میں عظیم کتب لکھی گئیں اور بعد کے ادوار میں ان کی شرحیں، تلخیصیں اور جامع کتب مرتب ہوئیں، جن میں امام شاطبی رحمہ اللہ کی الموافقات نے مقاصد شریعت کی بحث کو باقاعدہ علمی مرتبہ عطا کیا۔

تدوین کے دو اسالیب: طریقہ متکلمین (شافعیہ) اور طریقہ فقہائے احناف

اصول فقہ کی تدوین میں دو نمایاں اسالیب سامنے آئے۔ پہلا طریقہ متکلمین کا ہے جسے طریقہ شافعیہ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بعد شوافع اور دیگر متکلمین نے اسے اختیار کیا۔ اس طریقے میں پہلے عقلی و نظری بنیادوں پر قواعد کو طے کیا جاتا ہے، دلیل کی تحلیل کی جاتی ہے اور پھر ان قواعد کو مسائل پر منطبق کیا جاتا ہے۔ اس

اسلوب میں منطق اور کلام کی اصطلاحات کثرت سے استعمال ہوتی ہیں اور قاعدے کو ثابت کرنے کے لیے فروعی مثالوں کی بجائے دلیل و برہان پر انحصار کیا جاتا ہے۔ قاضی ابو بکر باقلانی، امام الحرمین جوینی کی البرہان، امام غزالی کی المستصفیٰ اور آمدی کی الاحکام اسی طریقے کی نمائندہ کتب ہیں۔ دوسرا طریقہ فقہائے احناف کا ہے جس میں قواعد کی بنیاد ائمہ احناف کے پہلے سے مدون فروعی مسائل پر رکھی گئی۔ حنفی اصولیین نے اپنے ائمہ کے فتاویٰ و مسائل کا مطالعہ کر کے ان سے وہ کلی قواعد استخراج کیے جن پر وہ مسائل مبنی تھے۔ ابوالحسن کرخی کی اصول، ابو بکر جصاص کی الفصول فی الاصول، عبید دبوسی کی تقویم الادلہ اور فخر الاسلام بزدوی و امام سرخسی کی اصول اسی اسلوب کی مشہور کتب ہیں۔

جدول: طریقہ متکلمین اور طریقہ فقہائے احناف کا موازنہ

پہلو	طریقہ متکلمین (شافعیہ)	طریقہ فقہائے احناف
نقطہ آغاز	پہلے نظری قاعدہ طے کیا جاتا ہے، پھر اسے مسائل پر لاگو کیا جاتا ہے	پہلے سے موجود فروعی مسائل سے قاعدہ استخراج کیا جاتا ہے
اسلوب تحریر	عقلی، منطقی اور کلامی؛ دلیل و برہان کو اولیت	فقہی و عملی؛ مسائل اور واقعات کو اولیت
قاعدے کی بنیاد	نص اور عقلی تحلیل سے براہ راست استنباط	ائمہ کے منقول فروع کی تحلیل سے استقراء
نمائندہ کتب	البرہان، المستصفیٰ، الاحکام للآمدی	اصول کرخی، الفصول للجصاص، اصول بزدوی و سرخسی
خصوصیت	قواعد میں ہمہ گیری اور نظری پختگی	قواعد کا عملی فقہ سے گہرا ربط اور واقعیت
محدودیت	بسا اوقات بحث نظری ہو کر عملی مسائل سے دور ہو جاتی ہے	قاعدہ مسلک کے فروع سے بندھا رہتا ہے، وسعت کم ہو سکتی ہے

دونوں طریقوں کے اپنے محاسن ہیں۔ متکلمین کے طریقے نے اصول فقہ کو ایک آزاد، منظم اور عقلی بنیادوں پر قائم علم بنایا اور اس کی بحثوں کو ہمہ گیر صورت دی، جبکہ احناف کے طریقے نے قواعد کو زندہ فقہی عمل سے جوڑے رکھا، اس لیے ان کے قواعد کی عملی تطبیق واضح اور جانچی پرکھی ہوئی ہے۔ بعد کے ادوار میں علماء نے ان دونوں طریقوں کو جمع کرنے کی کوشش بھی کی، جسے جمع بین الطریقین کہا جاتا ہے۔ ابن الہمام کی التحریر اور تاج الدین سبکی کی جمع الجوامع اسی رجحان کی نمائندہ کتب ہیں، جن میں نظری قواعد کو بھی لیا گیا اور فروعی مسائل سے ان کی تصدیق بھی کی گئی۔ اس امتزاج نے اصول فقہ کو مزید پختگی اور توازن عطا کیا اور آج کا نصابی مطالعہ عموماً اسی متوازن اسلوب سے مستفید ہوتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اصول فقہ وہ علم ہے جو ادلہ شرعیہ سے احکام کے استنباط کے قواعد بیان کرتا ہے۔ اس کی غایت یہ ہے کہ استنباط خطا سے محفوظ، منظم اور مقاصد شریعت کے مطابق ہو۔ تاریخی اعتبار سے یہ علم عہد نبوی کی عملی اجتہادی روش سے شروع ہو کر صحابہ و تابعین کے دور سے گزرتا ہوا امام شافعی رحمہ اللہ کی الرسالی پر باقاعدہ مدون ہوا اور پھر متکلمین و احناف کے دو اسالیب میں پھلا پھولا۔ طالب علم کے لیے دونوں اسالیب کا مطالعہ مفید ہے کیونکہ ایک سے نظری پختگی حاصل ہوتی ہے اور دوسرے سے عملی فقہی ذوق۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس گائیڈ میں پیش کی گئی بحث خالص علمی و تعلیمی ہے؛ کسی مخصوص مسئلے میں عملی فتویٰ یا قطعی رائے کے لیے اہل علم و مستند مفتیان کرام سے رجوع کرنا چاہیے۔

سوال نمبر 2: دلیل شرعی، قطعی و ظنی کی تقسیم اور قرآن و سنت کا مقام

سوال نمبر 2: دلیل شرعی سے کیا مراد ہے؟ نیز قطعی الثبوت، قطعی الدلالت، ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت کی تقسیم کی روشنی میں قرآن کریم اور سنت نبویؐ کے بطور بنیادی ماخذ شریعت مقام و مرتبے کا تفصیلی جائزہ لیں۔ (20)

تعارف

شریعت اسلامیہ کا پورا قانونی نظام ادلہ پر قائم ہے۔ کوئی حکم اس وقت تک شرعی حکم نہیں کہلاتا جب تک اس کے پیچھے کوئی معتبر دلیل موجود نہ ہو۔ اسی لیے اصول فقہ کی سب سے پہلی اور بنیادی بحث ادلہ شرعیہ کی ہے: دلیل کسے کہتے ہیں، اس کی کتنی اقسام ہیں، اور ثبوت و دلالت کے اعتبار سے اس کی قوت کا درجہ کیا ہے۔ یہ درجہ بندی محض علمی دل چسپی نہیں بلکہ اس کے بڑے عملی نتائج نکلتے ہیں، مثلاً عقیدے کے مسائل صرف قطعی دلیل سے ثابت ہوتے ہیں جبکہ عملی احکام میں ظنی دلیل پر بھی عمل ہو سکتا ہے، اور تعارض کی صورت میں مضبوط دلیل کو کمزور پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس جواب میں پہلے دلیل شرعی کا مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر قطعی و ظنی کی چار صورتوں کی تفصیل بیان ہو گی، اور اس کے بعد اسی روشنی میں قرآن کریم اور سنت نبوی کے مقام و مرتبے کا جائزہ لیا جائے گا۔

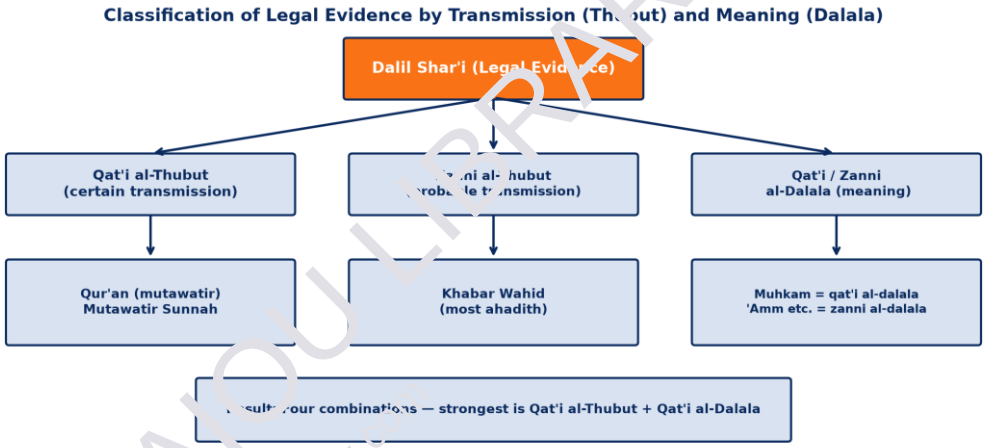
دلیل شرعی کا مفہوم اور بنیادی ماخذ

دلیل کے لغوی معنی رہنمائی کرنے والی چیز کے ہیں، اور اصطلاح میں دلیل وہ چیز ہے جس پر صحیح غور و فکر سے مطلوب خبری تک رسائی حاصل ہو سکے۔ اصول فقہ میں دلیل شرعی سے مراد وہ ماخذ ہے جس کی بنیاد پر کسی عمل کا شرعی حکم ثابت کیا جائے، یعنی یہ معلوم ہو کہ یہ عمل واجب ہے، حرام ہے، جائز ہے یا اس کی کوئی اور کیفیت ہے۔ اصولیین نے ادلہ کو متفق علیہ اور مختلف فیہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ متفق علیہ ادلہ چار ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت اور قیاس۔ مختلف فیہ ادلہ میں استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب، سد ذرائع، عرف اور عمل اہل مدینہ وغیرہ شامل ہیں جن کی حجیت میں مکاتب فکر کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بنیادی حیثیت بہر حال کتاب و سنت ہی کو حاصل ہے، کیونکہ بقیہ تمام ادلہ کی سند اور حجیت بھی بالآخر انہی دونوں کی طرف لوٹتی ہے؛ اجماع کی بنیاد نص پر ہوتی ہے اور قیاس نص ہی کے حکم کو آگے بڑھاتا ہے۔

قطعی اور ظنی کی تقسیم: ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے

اصولیین نے ہر دلیل کو دو جہتوں سے پرکھا ہے: ایک اس کا ثبوت، یعنی یہ بات کس قدر یقینی ہے کہ یہ دلیل واقعی شارع کی طرف سے آئی ہے؛ دوسری اس کی دلالت، یعنی اس دلیل کے الفاظ مطلوب معنی پر کس قدر قطعی دلالت کرتے ہیں۔ ثبوت کے اعتبار سے دلیل قطعی الثبوت ہوتی ہے جب اس کا شارع سے صادر ہونا یقینی ہو اور اس میں شک کی

گنجائش نہ ہو، جیسے تواتر سے ثابت شدہ چیز۔ ظنی الثبوت وہ ہے جس کے ثبوت میں احتمال پایا جائے، جیسے خبر واحد جسے ایک یا چند راویوں نے روایت کیا ہو۔ دلالت کے اعتبار سے دلیل قطعی الدلالت ہوتی ہے جب اس کے الفاظ صرف ایک ہی معنی کا احتمال رکھتے ہوں اور تاویل کی گنجائش نہ ہو، جیسے اعداد و نصوص محکمہ۔ ظنی الدلالت وہ ہے جس کے الفاظ میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہو یا وہ عام ہو جس میں تخصیص ممکن ہو، اس لیے اس میں اجتہاد و تاویل کی گنجائش رہتی ہے۔



شکل: دلیل شرعی کی ثبوت و دلالت کے اعتبار سے درجہ بندی

جدول: قطعی و ظنی کی چار باہمی صورتیں

صورت	تعریف	حکم و اثرات	مثال
قطعی الثبوت و قطعی الدلالت	ثبوت بھی یقینی اور دلالت بھی ایک معنی میں قطعی	سب سے قوی درجہ؛ عقیدہ و عمل دونوں میں حجت، انکار کی گنجائش نہیں	قرآن کی محکم آیات، مثلاً وراثت کے مقررہ حصے
قطعی الثبوت و ظنی الدلالت	پہنچنا یقینی مگر معنی میں احتمال موجود	عمل میں حجت؛ معنی کے تعین میں اجتہاد ممکن	قرآن کی عام آیات جن میں تخصیص کا احتمال ہو
ظنی الثبوت و قطعی الدلالت	پہنچنے میں احتمال مگر لفظ کی دلالت واضح	جمہور کے نزدیک عمل میں حجت؛ عقائد	خبر واحد کے واضح الفاظ

		قطعیہ اس سے ثابت نہیں ہوتے	
وہ خبر واحد جس کے الفاظ محتمل ہوں	سب سے کمزور درجہ؛ تعارض میں پہلی صورتوں کو ترجیح	ثبوت و دلالت دونوں میں احتمال	ظنی الثبوت و ظنی الدلالت

اس تقسیم کے عملی اثرات بڑے واضح ہیں۔ اول یہ کہ عقائد کے بنیادی مسائل، جن میں یقین شرط ہے، صرف قطعی الثبوت و قطعی الدلالت نصوص سے ثابت کیے جاتے ہیں۔ دوم یہ کہ فقہی و عملی احکام میں خبر واحد جیسی ظنی دلیل بھی جمہور کے نزدیک حجت ہے اور اس پر عمل لازم آتا ہے۔ سوم یہ کہ جب دو دلیلوں میں تعارض پیدا ہو تو قوت کے اسی پیمانے سے ترجیح کا فیصلہ ہوتا ہے۔ چہارم یہ کہ قطعی الدلالت نص میں تاویل نہیں ہو سکتی جبکہ ظنی الدلالت میں اہل علم کا اختلاف ممکن اور فطری ہے، اسی لیے فقہی اختلاف کا بڑا حصہ انہی ظنیات کے دائرے میں پیدا ہوتا ہے اور اسے علمی اختلاف سمجھا جاتا ہے، گروہی تصادم نہیں۔

قرآن کریم کا مقام و مرتبہ

قرآن کریم شریعت کا پہلا اور سب سے بنیادی ماخذ ہے اور یہ قطعی الثبوت ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امت تک تواتر کے ساتھ پہنچا ہے؛ ہر دور میں بے شمار حافظوں اور کاتبوں نے اسے اسی صورت میں منتقل کیا جس میں نازل ہوا تھا۔ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جس کا ذکر سورہ حجر میں آیا ہے۔ دلالت کے اعتبار سے قرآن کی آیات دو طرح کی ہیں: محکم آیات قطعی الدلالت ہیں اور متشابہ یا عام آیات میں اجتہاد کی گنجائش رہتی ہے۔ قرآن نے احکام کے کلی اصول اور بنیادی قواعد دیے ہیں، مثلاً عبادات کی اصل مشروعیت، معاملات میں عدل و امانت کا حکم اور حدود و قصاص کے بنیادی قوانین، جبکہ بہت سے احکام کی تفصیل سنت کے سپرد کی گئی ہے۔ فقہی استنباط میں پہلا قدم ہمیشہ کتاب اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے، اور جو حکم قرآن سے ثابت ہو جائے اس کے مقابلے میں کوئی اور دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

سنت نبوی کا مقام و مرتبہ

سنت نبوی شریعت کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ اصولیین کے نزدیک سنت بھی وحی پر مبنی ہے، فرق یہ ہے کہ قرآن وحی متلو ہے جس کے الفاظ بھی اللہ کے ہیں اور تلاوت بھی عبادت ہے، جبکہ سنت وحی غیر متلو ہے جس کے معانی وحی سے ہیں اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ قرآن نے خود سنت کی حجیت کو واضح کیا ہے؛ سورہ حشر میں رسول کے دیے ہوئے کو لینے اور منع کیے ہوئے سے رک جانے کا حکم آیا ہے اور سورہ نساء میں اللہ و رسول کی اطاعت کا صریح حکم موجود ہے۔ سنت کا کام قرآن کی تفسیر و تشریح ہے: قرآن نے نماز و زکاۃ کا مجمل حکم دیا، سنت نے رکعتوں کی تعداد، اوقات اور نصاب کی تفصیل بیان کی۔ اسی طرح سنت کبھی قرآن کے حکم کی تاکید کرتی ہے، کبھی اس کے مجمل کی تبیین اور کبھی ایسا حکم بھی لاتی ہے جس کا ذکر قرآن میں صراحت سے نہیں، اور جمہور اصولیین کے نزدیک یہ بھی حجت ہے۔

ثبوت کے اعتبار سے سنت کی تین مشہور اقسام ہیں۔ خبر متواتر وہ ہے جسے ہر طبقے میں اتنے راویوں نے روایت کیا ہو کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہو؛ یہ قطعی الثبوت ہے اور علم یقینی پیدا کرتی ہے۔ خبر مشہور وہ ہے جو ابتدا میں محدود راویوں سے آئی مگر بعد کے ادوار میں شہرت و قبول عام حاصل کر گئی۔ خبر واحد وہ ہے جو تواتر کی حد کو نہ پہنچے؛ جمہور محدثین و اصولیین کے نزدیک یہ ظنی الثبوت ہے لیکن عادل و ضابط راوی کی روایت ہونے کی صورت میں عمل میں حجت ہے، البتہ اس سے عقائد قطعیہ ثابت نہیں کیے جاتے۔ دلالت کے اعتبار سے سنت کے الفاظ بھی قطعی یا ظنی ہو سکتے ہیں۔ یوں سنت اپنے اعلیٰ درجے میں قرآن ہی کے ساتھ قطعی حجت ہے اور اس کے بغیر قرآن کے بیشتر احکام پر عمل ممکن نہیں رہتا، اسی لیے منکرین سنت کے اعتراض کو اہل علم ہمیشہ رد کرتے آئے ہیں۔

خلاصہ و نتیجہ

نتیجہ یہ نکلا کہ دلیل شرعی وہ ماخذ ہے جس سے کسی عمل کا شرعی حکم ثابت ہو۔ ہر دلیل کی قوت دو پیمانوں سے ناپی جاتی ہے: ثبوت اور دلالت، اور ان دونوں میں وہ قطعی یا ظنی ہو سکتی ہے جس سے چار صورتیں بنتی ہیں۔ قرآن کریم سرتاج ادلہ ہے کیونکہ قطعی الثبوت ہے اور اس کی محکم آیات قطعی الدلالت بھی ہیں۔ سنت نبوی اس کی شارح و مفسر

ہے اور اس کے متواتر حصے قطعی اور آحاد حصے ظنی الثبوت مگر عمل میں حجت ہیں۔ یہ درجہ بندی ہی وہ میزان ہے جس سے احکام کی قوت، اختلاف کی نوعیت اور ترجیح کے فیصلے متعین ہوتے ہیں۔ یہ تمام بحث تعلیمی و علمی ہے؛ کسی عملی مسئلے میں قطعی فتویٰ کے لیے مستند اہل علم کی طرف رجوع ضروری ہے۔

سوال نمبر 3: اجماع کی تعریف، اقسام اور حجیت اجماع کے دلائل

سوال نمبر 3: اجماع کی لغوی و اصطلاحی تعریف بیان کریں، اس کی اقسام (صریح اور سکوتی) کی وضاحت کریں اور حجیت اجماع کے شرعی و عقلی دلائل تفصیل سے رقم کریں۔

(20)

تعارف

کتاب و سنت کے بعد اجماع امت شریعت کا تیسرا بنیادی ماخذ ہے۔ اجماع وہ مضبوط بنیاد ہے جس پر امت کے اجتماعی فیصلے قائم ہوتے ہیں اور جس کی وجہ سے شریعت کے بنیادی احکام ہر دور میں محفوظ اور غیر متنازع رہے ہیں۔ اجماع کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کے بعد اس مسئلے میں اختلاف کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے اور وہ حکم قطعی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ جب بھی امت کو کوئی ایسا نیا مسئلہ درپیش ہوا جس میں نص کی صراحت موجود نہ تھی تو علمائے امت کے اتفاق نے اس کا حل پیش کیا اور امت کو انتشار سے بچایا۔ اس جواب میں اجماع کی لغوی و اصطلاحی تعریف، اس کے ارکان و شرائط، اس کی اقسام اور پھر اس کی حجیت کے شرعی و عقلی دلائل تفصیل سے بیان کیے جائیں گے تاکہ واضح ہو کہ اجماع محض اکثریت کی رائے نہیں بلکہ ایک باقاعدہ اصولی دلیل ہے جس کے پیچھے کتاب و سنت کی تائید موجود ہے۔

اجماع کی لغوی و اصطلاحی تعریف

اجماع کے لغوی معنی کسی بات پر اتفاق کرنے اور پختہ ارادہ کرنے کے ہیں۔ عربی میں یہ لفظ اتفاق اور عزم دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اجماع کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی دور کے مجتہدین امت کا کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا۔ اس تعریف کے ہر جزو کی اپنی اہمیت ہے۔ قید

مجتہدین سے واضح ہوتا ہے کہ اتفاق عوام یا غیر مستند افراد کا نہیں بلکہ استنباط کی اہلیت رکھنے والے علماء کا ہوتا ہے۔ قید امت محمدیہ سے مراد اس امت کے علماء ہیں۔ وفات نبوی کے بعد کی قید اس لیے لگائی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کی موجودگی میں کسی اجماع کا تصور نہیں، کیونکہ آپ کی ذات ہی مرجع تھی۔ شرعی حکم کی قید سے دنیوی یا عقلی امور خارج ہو جاتے ہیں، یعنی اجماع صرف ان مسائل میں معتبر ہے جن کا تعلق شریعت کے حکم سے ہو۔ اسی طرح اجماع کے لیے شرط ہے کہ اتفاق اس دور کے تمام مجتہدین کا ہو، محض اکثریت کا اتفاق اصولیین کے نزدیک اجماع نہیں کہلاتا۔

اجماع کی اقسام: صریح اور سکوتی

اجماع کی پہلی قسم اجماع صریح ہے جس میں تمام مجتہدین اپنی رائے صراحتاً بیان کریں، خواہ قولاً دیا فعلاً، اور سب ایک ہی حکم پر متفق ہو جائیں۔ یہ اجماع کی سب سے مضبوط صورت ہے اور اس کی حجیت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اجماع کی تاریخی مثالوں میں خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مسئلہ، مانعین زکاۃ کے خلاف فیصلہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تراویح کا باجماعت اہتمام اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک مصحف پر قرآن کی جمع و تدوین جیسے عظیم فیصلے شامل ہیں۔ دوسری قسم اجماع سکوتی ہے جس میں کسی مسئلے میں بعض مجتہدین رائے ظاہر کریں اور باقی مجتہدین کو اس کی خبر پہنچے، مناسب مدت گزر جائے جس میں غور و فکر ممکن ہو، مگر وہ سکوت اختیار کریں اور مخالفت ظاہر نہ کریں۔ اس صورت میں سکوت کو رضامندی پر محمول کر کے اجماع فرض کیا جاتا ہے۔

جدول: اجماع صریح اور اجماع سکوتی کا تقابل

پہلو	اجماع صریح	اجماع سکوتی
اظہار رائے	تمام مجتہدین قولاً یا فعلاً صریح رائے دیتے ہیں	بعض رائے دیتے ہیں، باقی سکوت اختیار کرتے ہیں
حجیت	قطعی اور تمام اہل علم کے نزدیک حجت	حنفیہ و بعض اصولیین کے نزدیک حجت، بعض کے نزدیک ظنی

ایسے مسائل جہاں ایک رائے مشہور ہوئی اور کسی نے انکار نہ کیا	خلافت صدیقی، جمع قرآن، تراویح کا اہتمام	شواہد
سکوت کرنے والوں کو خبر پہنچنا، غور کی مہلت، خوف و جبر کی عدم موجودگی	تمام مجتہدین کا اتفاق اور عصر کا انقراض (بعض کے نزدیک)	شرائط

اجماع سکوتی کی حجیت میں اصولیین کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور اکثر متکلمین سے حقیقی اجماع نہیں مانتے، کیونکہ سکوت کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، مثلاً مجتہد ابھی غور کر رہا ہو یا اس کی رائے مختلف ہو مگر وہ اظہار مناسب نہ سمجھتا ہو۔ فقہائے احناف اور امام مالک و احمد کی ایک روایت کے مطابق اجماع سکوتی بھی حجت ہے لیکن اس کا درجہ اجماع صریح سے کم ہے، یعنی یہ ظنی حجت ہے۔ سکوتی اجماع کے معتبر ہونے کی شرائط میں یہ بھی شامل ہے کہ سکوت کرنے والے پر کسی خوف یا لالچ کا غلبہ نہ ہو اور سکوت کی مدت اتنی ہو کہ رائے بنانا ممکن ہو چکا ہو۔ ان شرائط کی رعایت کے ساتھ سکوتی اجماع فقہی عمل میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ بے شمار مسائل اسی بنیاد پر طے پائے ہیں۔

حجیت اجماع کے شرعی دلائل

اجماع کی حجیت کا پہلا ثبوت کتاب اللہ ہے۔ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت فرمائی ہے جو ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے۔ اس سے اصولیین نے استدلال کیا کہ مومنوں کا متفقہ راستہ چھوڑنا گمراہی ہے، لہٰذا ان کا اتفاق حق پر مبنی اور حجت ہے۔ سورہ آل عمران میں امت کو بہترین امت قرار دے کر نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی صفت بیان کی گئی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امت بحیثیت مجموعی حق کی حامل ہو سکتی ہے۔ دوسرا ثبوت سنت نبوی ہے۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ یہ احادیث اگرچہ افراداً آحاد ہوں مگر مجموعی طور پر معنیٰ متواتر کا درجہ رکھتی ہیں اور اہل علم نے انہیں اجماع کی بنیادی دلیل قرار دیا ہے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ خود صحابہ کرام نے اجماع کو حجت سمجھا اور اس پر عمل کیا، اور ان کے عمل کی پیروی بعد کی امت نے کی۔

حجیت اجماع کے عقلی دلائل

عقلی اعتبار سے بھی اجماع کی حجیت واضح ہے۔ دنیا کے ہر منظم قانونی نظام میں ایک ایسا مرجع درکار ہوتا ہے جس کا فیصلہ حتمی ہو اور جس کے بعد تنازع ختم ہو جائے، ورنہ معاشرہ انتشار کا شکار رہے۔ اجماع شریعت میں یہی کردار ادا کرتا ہے کہ جب تمام مستند اہل علم کسی حکم پر متفق ہو جائیں تو وہ مسئلہ نزاع سے نکل کر یقین کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اجماع کی بنیاد ہمیشہ کسی نہ کسی دلیل شرعی پر ہوتی ہے، کیونکہ مجتہدین بغیر سند کے اتفاق نہیں کرتے؛ بعض اوقات وہ سند معلوم ہوتی ہے اور بعض اوقات وقت کے ساتھ خفی رہ جاتی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اتفاق بے بنیاد تھا۔ عقل خود گواہی دیتی ہے کہ مختلف علاقوں اور استعدادوں کے بے شمار آزاد مزاج علماء کا کسی غلط بات پر متفق ہو جانا عملی طور پر محال ہے، الا یہ کہ وہ بات حق ہو۔ اجماع کا ایک اور عقلی فائدہ یہ ہے کہ اس سے شریعت میں تسلسل اور تحفظ قائم رہتا ہے؛ اگر اجماع حجت نہ ہو تو ہر نسل پچھلے تمام اجتماعی فیصلوں کو از سر نو متنازع بنا دے گی اور دین کا مدون ذخیرہ غیر مستحکم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امت کی اجتماعی عصمت کی عملی صورت سمجھا جاتا ہے، اور عصمت کا یہ عقیدہ نصوص سے ماخوذ ہے، محض عقلی دعویٰ نہیں۔

خلاصہ و نتیجہ

اختتاماً کہا جا سکتا ہے کہ اجماع کسی دور کے تمام مجتہدین امت کا کسی شرعی حکم پر اتفاق ہے، جس کی دو صورتیں ہیں: صریح جو قطعی حجت ہے اور سکوتی جو اکثر اصولیین کے نزدیک شرائط کے ساتھ حجت ہے۔ اس کی حجیت کتاب اللہ کی آیات، سنت نبوی کے ارشادات اور تعامل صحابہ سے ثابت ہے اور عقل بھی اسے قبول کرتی ہے، کیونکہ یہ شریعت کے تحفظ، استحکام اور امت کے اتفاق کا ذریعہ ہے۔ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اجماع کی حجیت کا تعلق مستند علماء کے باقاعدہ اتفاق سے ہے؛ عام رائے یا غیر علمی مجموعے کا اتفاق اجماع نہیں کہلاتا، اور کسی مخصوص مسئلے میں اجماع کے دعوے کی جانچ اہل علم کا کام ہے۔

سوال نمبر 4: قیاس کی تعریف، ارکان، شرائط علت اور صحت قیاس کے اصول

سوال نمبر 4: قیاس کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور اس کے ارکان (اصل، فرع، علت، حکم) بیان کریں۔ نیز علت کی شرائط اور قیاس کی صحت کے بنیادی اصول و ضوابط پر مفصل بحث کریں۔ (20)

تعارف

نصوص شریعت محدود ہیں جبکہ پیش آنے والے واقعات اور مسائل لامحدود ہیں۔ اگر شریعت صرف انہی مسائل تک محدود رہتی جن کا حکم نص میں صراحتاً آ چکا ہے تو بدلتے حالات میں انسان رہنمائی سے محروم رہ جاتا۔ اس ضرورت کا حل قیاس ہے، جو شریعت کے چوتھے بنیادی ماخذ کی حیثیت سے غیر منصوص مسئلے کا حکم اس کی نظیر پر موجود منصوص حکم سے اخذ کرنے کا منظم طریقہ فراہم کرتا ہے۔ قیاس اجتہاد کی سب سے وسیع اور اہم صورت ہے جس کے ذریعے فقہ اسلامی نے ہر دور کے مسائل کا حل پیش کیا۔ تاہم قیاس بے قید رائے کا نام نہیں بلکہ سخت شرائط و ضوابط کے تحت ہوتا ہے۔ اس جواب میں قیاس کی تعریف، اس کے چاروں ارکان، علت کی شرائط اور قیاس کی صحت کے بنیادی اصول تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔

قیاس کی لغوی و اصطلاحی تعریف

قیاس کے لغوی معنی اندازہ لگانے اور کسی چیز کو اس کی مثل کے برابر کرنے کے ہیں، جیسے کپڑے کو ناپ سے یا عمارت کو اس کے نقشے سے موازنہ کرنا۔ اصطلاح میں قیاس کی تعریف یہ ہے کہ کسی ایسے مسئلے میں جس کے بارے میں نص موجود نہ ہو، اسے کسی ایسے مسئلے کے حکم کے برابر قرار دیا جائے جس کا حکم نص سے ثابت ہو، اس بنیاد پر کہ دونوں میں حکم کی علت مشترک پائی جاتی ہے۔ اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ قیاس میں حکم نئی تخلیق نہیں کی جاتی بلکہ اصل میں شارع کا دیا ہوا حکم ہی ہوتا ہے جو علت کی شرکت کی وجہ سے فرع تک منتقل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر شراب کی حرمت قرآن سے ثابت ہے اور اس کی علت نشہ آور ہونا ہے، پس قیاساً ہر وہ چیز جس میں یہ علت پائی

جائے گی اس پر حرمت کا حکم لاگو ہو گا۔ یہ مثال مکاتب فقہ میں قیاس کی کلاسیکی توضیح کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اسی اصول نے بعد کے ادوار میں پیش آنے والی نئی ممنوعات کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں بنیادی رہنمائی دی۔

قیاس کے ارکان

جدول: ارکان قیاس اور ان کی وضاحت

رکن	تعریف	شراب و نشہ کی مثال
اصل	وہ منصوص مسئلہ جس کا حکم نص سے ثابت ہو اور جس کا حکم فرع کو دیا جائے	خمر (شراب) جس کی حرمت نص سے ثابت ہے
فرع	وہ نیا مسئلہ جس کے بارے میں نص نہ ہو اور اصل کا حکم اسے دینا مقصود ہو	نئی نشہ آور اشیاء جن کی بابت نص میں صراحت نہیں
حکم اصل	وہ شرعی حکم جو اصل کے لیے نص سے ثابت ہے	حرمت
علت	وہ وصف مشترک جو اصل میں حکم کی بنیاد ہے اور فرع میں بھی پایا جائے	نشہ آور ہونا (اسکار)

ارکان میں سب سے اہم رکن علت ہے اور اصل بحثیں اسی کے گرد گھومتی ہیں۔ اصل کے بارے میں شرط ہے کہ اس کا حکم نص یا اجماع سے ثابت ہو اور وہ حکم معقول المعنی ہو، یعنی اس کی علت عقل سے سمجھ میں آ سکے۔ عبادات کے وہ احکام جو تعبدی ہیں، مثلاً رکعتوں کی تعداد، ان پر قیاس نہیں چلتا۔ فرع کے بارے میں شرط ہے کہ اس میں کوئی نص موجود نہ ہو اور اصل جیسی علت اس میں بھی اسی درجے میں پائی جائے۔ حکم اصل وہی ہو گا جو فرع کو دیا جائے گا، بشرطیکہ فرع کا کوئی ایسا خاص وصف نہ ہو جو حکم میں فرق

پیدا کرے؛ ایسا فرق پائے جانے کی صورت قیاس مع الفارق کہلاتی ہے اور وہ باطل ہے۔ ان تمام ارکان کا باہم مربوط ہونا ضروری ہے، کسی ایک رکن کے فقدان سے قیاس قائم نہیں رہتا۔

علت کی شرائط

علت کی صحت کے لیے اصولیین نے چند اہم شرائط بیان کی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ علت ظاہر ہو، یعنی حس یا عقل سے معلوم ہو سکے، خفی اور پوشیدہ امر پر حکم کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی جب تک شارع نے اس کی کوئی ظاہری نشانی مقرر نہ کر دی ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ علت منضبط ہو، یعنی اس کا ایک معین معیار ہو جو افراد میں کمی بیشی کے ساتھ مختلف نہ ہو جائے؛ اسی لیے مشقت جیسی علت کو براہ راست نہیں بلکہ سفر جیسی منضبط صورت سے جوڑا گیا ہے۔ تیسری شرط مناسبت ہے، یعنی علت اور حکم کے درمیان ایسی مناسبت ہو کہ حکم کے ثبوت سے کوئی شرعی مصلحت وابستہ ہو، مثلاً نشے کی علت اور حرمت کے درمیان مناسبت واضح ہے کیونکہ عقل کی حفاظت مقصود ہے۔ چوتھی شرط تعدی ہے، یعنی علت اصل تک محدود نہ ہو بلکہ دوسرے مسائل میں بھی پائی جا سکے، کیونکہ جو علت اصل سے آگے نہ بڑھے اس پر قیاس ممکن نہیں۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ علت پر نص یا اجماع سے ثابت حکم کی مخالفت لازم نہ آئے اور نہ ہی علت کسی نص کو معطل کر دے۔ بعض اصولیین نے یہ شرط بھی لگائی کہ علت کے پائے جانے سے حکم کا موجود ہونا اور علت کے نہ ہونے سے حکم کا نہ ہونا ثابت ہو، جسے طرد و عکس کہتے ہیں۔

قیاس کی صحت کے بنیادی اصول و ضوابط

قیاس کے صحیح ہونے کے لیے مجموعی طور پر چند ضوابط مقرر ہیں۔ پہلا ضابطہ یہ ہے کہ قیاس کسی نص یا اجماع کے مقابلے میں نہ ہو؛ جہاں نص موجود ہے وہاں قیاس کی سرے سے گنجائش نہیں اور اگر قیاس نص کے مخالف نتیجہ دے تو قیاس باطل ہو گا۔ دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ حکم اصل معقول المعنی ہو اور اس کی علت کی تنقیح اور تحقیق درست طریقے سے کی گئی ہو؛ علت کے استخراج کے طریقے، جنہیں مسالک علت کہتے ہیں، نص کی صراحت، اجماع، مناسبت اور دوران وغیرہ ہیں۔ تیسرا ضابطہ یہ ہے کہ فرع میں علت اصل کے برابر پائی جائے، کم درجے کی مشابہت قیاس کے لیے کافی نہیں اور محض ظاہری مشابہت پر بنا قیاس کمزور ہوتا ہے۔ چوتھا ضابطہ یہ ہے کہ قیاس سے کوئی ایسا حکم ثابت نہ ہو جو

شریعت کے کلی قواعد اور مقاصد کے خلاف ہو۔ ان ضوابط کی پابندی نے قیاس کو ذاتی رائے سے الگ کر دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جمہور اہل علم قیاس کو حجت مانتے ہیں جبکہ اس کی حجیت کی دلیل میں سورہ حشر کی آیت میں اعتبار کا حکم اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اجتہاد کی منظوری پیش کی جاتی ہے۔ اہل ظاہر جیسے بعض علماء نے قیاس کی حجیت سے اختلاف کیا ہے، مگر جمہور کے دلائل کے سامنے ان کے اعتراضات کو علمی حلقوں میں وزن حاصل نہیں ہو سکا۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قیاس غیر منصوص مسئلے کو منصوص مسئلے کے حکم میں شریک کرنا ہے علت کی شراکت کی بنیاد پر۔ اس کے ارکان اصل، فرع، حکم اصل اور علت ہیں، جن میں علت محور کی حیثیت رکھتی ہے۔ علت کے لیے ظاہر، منضبط، مناسب اور متعدی ہونا شرط ہے اور قیاس کی صحت کے لیے نص کے مقابل نہ ہونا اور طے شدہ ضوابط کی پابندی ضروری ہے۔ انہی شرائط کے ساتھ قیاس نے فقہ اسلامی کو ہمہ گیری اور توسع عطا کی اور آج بھی جدید مسائل کے حل میں یہی اصول کار فرما ہے۔ البتہ قیاس کا استعمال اہل علم کا کام ہے؛ نئے مسائل میں قیاس کی تطبیق کے لیے متعلقہ فنون کے ماہرین اور مستند علماء کی مشترکہ رائے کو اہمیت دینی چاہیے۔

سوال نمبر 5: استحسان، مصالح مرسلہ اور مقاصد شریعت کی روشنی میں عمل کی شرائط

سوال نمبر 5: استحسان اور مصالح مرسلہ (استصلاح) کا معنی و مفہوم، اقسام اور ان کی شرعی حجیت واضح کریں۔ نیز مقاصد شریعت (ضروریات، حاجیات، تحسینیات) کو مدنظر رکھتے ہوئے مصالح مرسلہ پر عمل کی شرائط پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

شریعت کے بنیادی چار ماخذوں کے علاوہ اصولیین نے کچھ ایسے تبعی ادلہ بھی بیان کیے ہیں جو نصوص کے عمومی اصولوں اور مقاصد سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان میں استحسان اور مصالح مرسلہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ادلہ کی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب قیاس جلی کسی غیر مناسب نتیجے تک لے جائے یا کوئی ایسا نیا مسئلہ پیش آئے جس کے

بارے میں نص اور قیاس خاموش ہوں، مگر شریعت کے مقاصد و مصالح اس کا حل طلب کرتے ہوں۔ یہ ادلہ شریعت کی لچک، وسعت اور عملی افادیت کی دلیل ہیں۔ اس جواب میں پہلے استحسان کا مفہوم، اقسام اور حجیت بیان ہو گی، پھر مصالح مرسلہ کی تفصیل، پھر مقاصد شریعت کے تین مدارج اور آخر میں مقاصد کی روشنی میں مصالح مرسلہ پر عمل کی شرائط پر مفصل نوٹ پیش کیا جائے گا۔

استحسان: مفہوم، اقسام اور حجیت

استحسان کے لغوی معنی کسی چیز کو اچھا سمجھنا ہے۔ اصطلاح میں استحسان سے مراد یہ ہے کہ مجتہد کسی مسئلے میں قیاس جلی کو چھوڑ کر کسی مضبوط تر دلیل کی بنیاد پر قیاس خفی یا اس کے برعکس حکم کی طرف عدول کرے۔ امام کرخی کی مشہور تعریف یہ ہے کہ ایک مسئلے میں اس کے نظائر کے حکم سے کسی قوی تر وجہ کی بنا پر عدول کرنا استحسان ہے۔ استحسان کی بنیاد مختلف امور ہو سکتے ہیں: کبھی نص کی وجہ سے قیاس چھوڑا جاتا ہے، کبھی اجماع کی وجہ سے، کبھی ضرورت اور حاجت کی وجہ سے، کبھی عرف و تعامل کی وجہ سے اور کبھی قیاس خفی کی قوت کی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بیع سلم اور اجارے کا جواز عام اصولوں کے مقابلے میں لوگوں کی ضرورت کی بنیاد پر ثابت ہوا جسے استحسان کی کلاسیکی مثالیں کہا جاتا ہے۔ حجیت کے بارے میں فقہائے احناف اور مالکیہ استحسان کو معتبر دلیل مانتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ استحسان اگر دلیل کے بغیر محض پسند کا نام ہو تو یہ قانون سازی کے مترادف ہو گا۔ احناف کا جواب یہ ہے کہ ان کے نزدیک استحسان ذاتی پسند نہیں بلکہ دلیل کی بنیاد پر باقاعدہ عدول ہے، اس لیے اصل اختلاف بڑی حد تک لفظی ہے اور مطلب کے اعتبار سے دونوں مکاتب کا عمل بہت سے مسائل میں قریب ہے۔

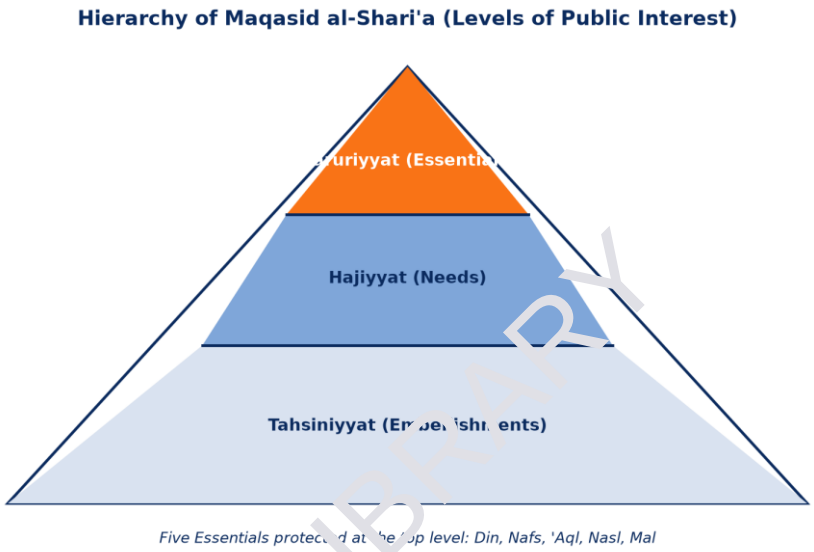
مصالح مرسلہ: مفہوم، اقسام اور حجیت

مصلحت کے معنی منفعت اور بھلائی کے ہیں اور مرسلہ سے مراد وہ مصلحت ہے جس کے معتبر یا باطل ہونے کے بارے میں شرع کی کوئی خاص گواہی موجود نہ ہو، نہ اسے تسلیم کیا گیا ہو اور نہ رد کیا گیا ہو۔ اصطلاح میں مصالح مرسلہ سے مراد وہ مصالح ہیں جن کی رعایت کرتے ہوئے ایسا حکم وضع کیا جائے جو نصوص کے عمومی مقاصد سے ہم آہنگ ہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اسے مقاصد شریعت کے تحفظ سے تعبیر کیا ہے۔ مصالح تین اقسام کی ہیں: مصالح معتبرہ جن کی شریعت نے گواہی دی ہے، جیسے قیاس کی بنیاد بننے والی

مناسب علتیں؛ مصالح ملغاہ جنہیں شریعت نے رد کر دیا ہے؛ اور مصالح مرسلہ جو بیچ کی قسم ہے۔ حجیت میں امام مالک رحمہ اللہ اس کے سب سے بڑے قائل ہیں اور ان کے مسلک میں یہ مستقل دلیل ہے۔ حنابلہ میں بھی اسے قبول کیا گیا، جبکہ شافعیہ اور احناف بظاہر اسے مستقل دلیل نہیں مانتے، مگر ان کے فروع میں بھی بہت سے احکام اسی بنیاد پر پائے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام کے دور کی معروف مثالیں، مثلاً جنگ یمامہ کے بعد قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کرنے کا فیصلہ، اسی اصول پر مبنی سمجھی جاتی ہیں کیونکہ یہ اقدام دین کے تحفظ جیسے عظیم مقصد کے لیے تھا اور کسی نص کے مخالف نہ تھا۔

مقاصد شریعت اور ان کے مدارج

مقاصد شریعت سے مراد وہ حکمت و مصلحتیں ہیں جن کے لیے شریعت کے احکام مشروع ہوئے ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے الموافقات میں اس موضوع کو نہایت تفصیل سے بیان کیا اور واضح کیا کہ تمام احکام بندوں کی دنیوی و اخروی مصلحتوں کی حفاظت کے لیے ہیں۔ مصلحت کے تحفظ کے تین مدارج ہیں۔ پہلا درجہ ضروریات ہے جن کے بغیر دینی و دنیوی نظام قائم نہیں رہ سکتا؛ یہ پانچ ہیں: دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت۔ شریعت نے ہر ایک کی حفاظت کے احکام دیے ہیں، مثلاً دین کی حفاظت کے لیے عبادات اور اس کے دفاع کے احکام، جان کی حفاظت کے لیے قصاص و حرمت قتل، عقل کی حفاظت کے لیے نشہ آور اشیاء کی ممانعت، نسل کی حفاظت کے لیے نکاح کا نظام اور مال کی حفاظت کے لیے چوری کی سزا اور معاملات کے قوانین۔ دوسرا درجہ حاجیات ہے جن کے بغیر زندگی میں حرج و تنگی پیدا ہوتی ہے، مثلاً تجارت کی اجازت، سفر میں نماز کی قصر اور روزے کی رخصت۔ تیسرا درجہ تحسینیات ہے جن کا تعلق حسن و کمال اور مکارم اخلاق سے ہے، مثلاً طہارت و نظافت کی ترغیب اور مہمان نوازی و اخلاقی آداب۔



شکل: مقاصد شریعت کے مدارج: ضروریات، حاجیات اور تحسینیات

مصالح مرسلہ پر عمل کی شرائط

مصالح مرسلہ پر عمل بے قید نہیں ہے بلکہ اصولیین، خصوصاً امام غزالی اور امام شاطبی، نے اس کی سخت شرائط مقرر کی ہیں تاکہ اس کے نام پر خواہشات کو شریعت میں داخل نہ کیا جا سکے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مصلحت حقیقی ہو، وہمی اور خیالی نہ ہو، اور اس کا تحقق عقل و تجربے سے ثابت ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مصلحت عام ہو، یعنی پورے معاشرے یا ایک بڑے طبقے کے مفاد میں ہو، کسی فرد یا گروہ کے ذاتی مفاد کو مصلحت مرسلہ نہیں کہا جا سکتا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مصلحت کسی قطعی نص یا اجماع کے مخالف نہ ہو، کیونکہ نص کے مقابلے میں مصلحت کا دعویٰ باطل ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ مصلحت مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہو، یعنی ضروریات، حاجیات یا تحسینیات کے کسی درجے میں داخل ہو، اور درجے کی رعایت اس طرح ہو کہ نچلے درجے کی مصلحت اعلیٰ درجے کی مصلحت کو ختم نہ کرے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اس مصلحت کی بنیاد پر دیا گیا حکم کسی بڑی خرابی کا ذریعہ نہ بنے، کیونکہ مفاسد کی روک تھام مصالح کے حصول پر مقدم ہے، یہ اصول فقہ کے مشہور قواعد میں شامل ہے۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ عمل کرنے والا مرجع اہل علم و اختیار ہو، یعنی اہلیت و دیانت رکھنے والا مجتہد یا ادارہ ہو، تاکہ فیصلہ ہوائے نفس سے پاک رہے۔ جدید دور میں اجتماعی اجتہاد کے ادارے انہی شرائط کو سامنے رکھ کر نئے مسائل، مثلاً جدید مالیاتی نظام، طبی مسائل اور انتظامی قوانین، میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ استحسان قوی تر دلیل کی بنیاد پر قیاس جلی سے عدول کا نام ہے اور مصالح مرسلہ وہ مصلحت ہے جس کے بارے میں شریعت خاموش ہے مگر جو اس کے مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔ دونوں ادلہ نے فقہ اسلامی کو جمود سے بچایا اور اسے ہر دور کے تقاضوں کے مطابق حل فراہم کرنے کے قابل بنایا۔ مقاصد شریعت کے مدارج، ضروریات، حاجیات اور تحسینیات، ان ادلہ کے استعمال کی حدود متعین کرتے ہیں اور مقررہ شرائط کی پابندی ہی انہیں خواہش پرستی سے بچاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ بحث اکیڈمک و تعلیمی ہے؛ کسی مخصوص جدید مسئلے میں مصلحت کی تطبیق اور حتمی شرعی رائے مستند علماء اور اہل افتاء کا کام ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com